© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

[ایک طویل وقفہ کے بعد یہ موقع نصیب ہُوا کہ ترجمان القرآن مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ادرت میں مرتب ہو۔ چنانچہ مولانا نے اس مرتبہ دو ماہ کی یکجائی اشاعت کی ترتیب کا بیشتر کام خود ہی سرانجام دیا لیکن اشارات لکھنے کی تیاری کے دوران ہی میں آپ بیمار پڑ گئے۔ مولانا کی بحالیٔ صحت میں کچھ نہ کچھ وقت لگے گا، لہٰذا پرچہ کو لیٹ ہوتے دیکھ کر چار و ناچار پھر مجھی کو اشارات کے صفحات بھرنے پڑے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو جلد صحت و قوت عطا فرمائے۔ ن۔ ص]

---

(۱)

اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جو تاریخ پاکستان کے اس عظیم واقعہ پر ہمارے گہرے جذباتِ حمد و سپاس کا مستحق ہو کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مدظلہٗ پہلے ضمانت پر عارضی حیثیت سے اور اب ایک سرکاری اعلان کے تحت مستقلاً رہا کر دیئے گئے ہیں[1]۔ راہِ حق میں ابتلاء کا وہ ہمت آزما سفر جو شاہی قلعہ لاہور سے شروع ہوا تھا، پھانسی کی کوٹھڑی اور چودہ سال قید با مشقت کے پُرپیچ مراحل کو پچیس ماہ کے عرصے میں عبور کر کے

---

[1] لیکن یہ امر بڑا افسوسناک ہے کہ مولانا مودودی، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور چار مزید اسیرانِ مارشل لا کی بقیہ مدتِ قید کو ختم کرنے کا اعلان اپنی حدود ظرف میں بقیہ چند اسیران کو نہ دے سکا۔ چاہیئے کہ حکومت اب ان سب کو رہا کر دے۔ بلکہ مولانا اصلاحی کے مشورے کے مطابق مزید فیاضی سے کام لے کر راولپنڈی سازش کے قیدیوں اور دوسرے سیاسی اسیروں کو رہا کر کے اپنے حق میں فضا کو خراب ہونے سے بچائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بخیر و خوبی ختم ہو چکا ہے۔

ملے شود حساب دہ صد سالہ بہ آہے گاہے!

جرم دیکھیے تو "قادیانی مسئلہ" جیسا سنجیدہ علمی پمفلٹ لکھنے کا جرم جو عام قانونِ ملکی کے تقاضوں سے کوئی منافات نہیں رکھتا، اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ کی سرسری اور عاجلانہ سماعت، پھر دنیا کی انتہائی سزا دینے کا فیصلہ (اور بعد میں اس کا عمر قید میں بدلا جانا)، پھر ملکی عدلیہ کے سامنے اپیل کے حق کا سلب کیا جانا اور ’’انڈمنٹی آرڈی ننس‘‘ کے ذریعے اس سزا پر گورنر جنرل کا قانونی مہر ثبت کر دینا، پھر دستور یہ کا اس آرڈی ننس کی توثیق کر کے اسے مستقل ایکٹ بنا دینا، پھر کم سے کم تین سال کی سزا کی حد تک فیڈرل کورٹ کے کسی نامعلوم جج کی رائے کا حصول (اور اسے دیر تک مخفی رکھا جانا)، اور پھر اس خاص قیدی کے لیے ایام معافی کے حق کا ایک بڑا حصہ روکا جانا ـــــ یہ پورا سلسلۂ احوال گواہ ہے کہ مولانا مودودی پر کس عزم کے ساتھ عنایت خاص فرمائی جا رہی تھی۔ دوسری طرف دیکھیے کہ مولانا مودودی کی رہائی کے لیے عوام کی مسلسل اور ملک گیر چیخ پکار کا جواب کس شانِ تغافل سے دیا جاتا رہا، ممتاز شہریوں کے وفود کے سامنے مرکزی وزراء کس اسلوب سے کوئی دو ٹوک جواب دینے سے گریز فرماتے رہے، پھر پنجاب اسمبلی میں اکثریت کے رجحان (اور مطالبۂ رہائی پر بہت سے ممتاز ارکان کے دستخط کرنے) کے باوجود کس پُراسرار تدبیر سے ریزولیوشن پاس ہونے کو روکا گیا، پھر ملک نون نے کس تحدی سے فرمایا تھا کہ میری حکومت مولانا مودودی کی رہائی کی سفارش کرنے پر تیار نہیں۔ پھر یاد کیجیے سرکار کے اس مزاج شناس اخبار نویس کو جس نے اس سلسلے میں ایک محضر نامہ پر دستخط کر کے عوام کا ساتھ دینے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ ان حالات کون اس بات کا متوقع ہو سکتا تھا کہ ۲۸ اپریل کو دیکا یک مولانا جیل سے باہر ہوں گے۔

لیکن جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ اس سلطنتِ کائنات کا ایک فرماں روا اور انسانی تاریخ کے واقعات و حوادث کا منصوبہ ساز موجود ہے، جن کے دلوں میں یہ ایمان موجود تھا کہ وہ فرماں روا اور منصوبہ ساز ہستی با اختیار بھی ہے اور اپنے سرکش ترین بندوں پر اس کا حکم اسی طرح بے روک ٹوک چلتا ہے جس طرح زمین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر رینگنے والی چیونٹیوں پر چلتا ہے اور جن کے دلوں میں یہ اعتماد ہر قسم کے حالات میں کارفرما رہا ہے کہ وہ اپنے نام لیواؤں اور اپنے دین کے خادموں کا نگہبان ہے اور ان کے خلاف چلی جانے والی چالوں کا توڑ کرنے کے لیے اپنی بے پایاں حکمت و طاقت کے ساتھ خود منزل بہ منزل ان کے ساتھ موجود رہتا ہے۔ ان کے سینوں میں شمع امید باد مخالف کے تند سے تند جھونکوں کے سامنے بھی کبھی گل نہیں ہوتی۔ وہ ہر آن منتظر رہتے ہیں کہ جب امر الٰہی کی کلید رکاوٹوں کے تالے کھولنے کے لیے حرکت میں آجائے گی تو اس کلید کی گردش میں کوئی مزاحم نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ مولانا مودودی کی اچانک رہائی نے ایسے لوگوں کو آج اپنے خدائے واحد پر ایک نئے ایمان و اعتماد سے مالا مال کر دیا ہے۔ وزادتھم ایمانًا۔

کل اس ملک اور اس ملک سے باہر کے جن ہزاروں لاکھوں افراد کے دل مولانا مودودی کے لیے سزائے موت کا اعلان سن کر تڑپ اُٹھے تھے، پھر وہ دل جو مولانا مودودی کی قید کی ایک ایک گھڑی پر بے چینی اور اضطراب کے ساتھ دھڑکتے رہتے ہیں، وہ کہ جنہوں نے ظلم کے خلاف تمام ممکن جمہوری تدابیر سے صدائے احتجاج بلند کرنے کا حق ادا کیا ہے، آج وہ ایک نئی خداداد مسرت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ جن آنکھوں میں کل آنسو تیر گئے تھے آج ان کی پتلیوں سے ایک بے پایاں خوشی اُمڈتی دکھائی دیتی ہے۔ کل جن کے لیے عسر تھا آج ان کے لیے یسر ہے۔ اور قانون قدرت یہی ہے کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ سرگذشت تاریخ کا معمول یہی ہے کہ آرام و راحت کا پھل ہمیشہ مشقت کے پودوں پر لگتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے جو جس درجے کی تکلیف سے گزرتا ہے اس کو اسی درجے کی طمانیت جواب میں دی جاتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

آخر مولانا مودودی میں وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے اس کی قید اور اس کی رہائی سے لاکھوں انسان اتنی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ وہ کوئی فرشتہ یا کوئی فوق البشر ہستی نہیں، ایک انسان ہے اور اسی طرح کا خاکی انسان ہے جیسے ہم سب ہیں۔ وہ کسی مقام خاص کا مدعی نہیں، اپنے آپ کو محض امت مسلمہ کے ایک مسلمان فرد کی حیثیت میں پیش کرتا ہے۔ وہ پیری کی مسند بچھا کر نہیں بیٹھتا بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہتا سہتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور عام آدمیوں سے ملتا جلتا ہے۔ وہ اپنے لیے خصوصی امتیازات اور القاب و آداب نہیں چاہتا بلکہ کسی تکلف و تصنع کے بغیر ہر قسم کے لوگ اس سے معاملات رکھتے ہیں۔ وہ کرامات اور شعبدے دکھا کر اور خواب اور کشف بیان کر کر کے کسی کو مسحور نہیں کرتا بلکہ سیدھے سیدھے استدلال سے بات کہتا اور بات کا جواب دیتا ہے۔ اس کے پاس ملک کا کوئی انتظامی و وزارتی منصب نہیں ہے کہ وہ اس کے ذریعے لوگوں پر دھونس جماتا ہو۔ اس کے قبضے میں کوئی ایسا اختیار نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے نام الاٹمنٹیں کر کر کے، درآمدی برآمدی لائسنس بانٹ بانٹ کر، پاسپورٹ دے دے کر، ان کی سفارشوں پر ان کے کام بنا بنا کر، یا ان کی آزادیوں اور ان کی عزتوں پر چھاپے مار مار کر ان کو اپنا حمایتی اور قصیدہ خواں بنا رکھے۔ وہ کسی سازش میں کوئی درک نہیں رکھتا کہ لوگوں کو شر پسندانہ نجویٰ کے ذریعے باہم دگر توڑ توڑ کر اپنے اثر و رسوخ کا راستہ نکالے۔ یہ سب کچھ نہیں ہے تو پھر وہ کیا چیز ہے جس نے مولانا مودودی کو ایک نمایاں حیثیت دے دی ہے۔

ایک متاعِ ایمان! ایک نورِ علم! ایک دعوتِ حق! ایک نظریہ و اصول! ایک پاکیزہ مقصد و نصب العین!
ایک نقشۂ تعمیر! ایک جذبۂ خدمت! ایک متاعِ کردار! بس یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر!

یہی جوہر ہے جو ایک طرف ہزارہا لوگوں کے لیے مولانا مودودی کی ذات کو انتہائی محبوب بنانے والا ہے اور دوسری طرف یہی وہ جوہر ہے جس کی امانت داری کا قصور اسے بہت سی ہستیوں کی نگاہوں میں انتہائی مبغوض ٹھیرانے والا ہے۔ ایک طرف سے اس کے سامنے بہترین انسانی جذبات اخلاص پیش کیے جاتے ہیں، دوسری طرف سے بدترین گالیوں اور الزامات سے اس کو نوازا جاتا ہے۔ جہاں یہ حقیقت ہے کہ قوم کی ایک بڑی اکثریت اس شخص کی رہائی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے شکر گزاری کے جذبات نذر کر رہی ہے، وہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ کچھ عناصر کے لیے بڑا ہی المناک حادثہ ہے جو ۲۸ اپریل کو اس ملک میں رونما ہوا۔ وہ لوگ بھی ہیں جو اقامتِ دین، اسلامی دستور کے نفاذ، قوم کی ذہنی و اخلاقی تعمیر اور ملک کے استحکام کی جدوجہد میں فکری، جسمانی اور مالی تعاون اس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور ان کے بالمقابل وہ لوگ بھی ہیں جو مولانا مودودی کے راستے میں روڑے اٹکاتے، اور اس کے کام کو نقصان پہنچانے اور رائے عام

© rasailojaraid.com

کو اس کے اثر سے بچانے کو زندگی کا اہم مشن بنا کر ہر ممکن تدبیر عمل میں لا رہے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے۔

اس سلسلے میں مولانا مودودی کے لیے اچھے جذبات رکھنے والے خواص و عوام کو محسوس کرنا چاہیے کہ آج جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے موصوف ۲۵ ماہ کی جبری جدائی کے بعد پھر آپ سے آملے ہیں تو مولانا کی ذات سے عقیدتوں اور دلچسپیوں کا اظہار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ سوال تو یہ ہے کہ فکر و عمل کی اس فیصلہ کن مہم میں آپ کیا حصہ لیتے ہیں جو مولانا مودودی کے ہاتھوں آغاز پا کر اب ایک منظم تحریک کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ حالات نے ایک بڑی نازک آزمائشی صورت ساری قوم کے لیے پیدا کر دی ہے جبکہ ایک طاقت دعوتِ اقامتِ دین کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے اور ایک دوسری طاقت اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے ہے۔ قوم کی قسمت — اور خود آپ کی قسمت — ان دو گونہ رجحانات کے درمیان معلق ہے۔ ایسی نازک پوزیشن کے پیدا ہو جانے پر اسلام پر ایمان رکھتے ہوئے آپ کا غیر جانب دار تماشائی بن کر بیٹھے رہنا درحقیقت مخالفِ دین رجحانات کے ہاتھ مضبوط کرنے کے ہم معنی ہے۔ اس کوتاہی کی تلافی کسی خادمِ دین و ملت کی ذات سے مجرد ذہنی وابستگی رکھنے، اس کے کام پر داد دینے اور اس کا پرجوش استقبال کرنے اور اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دینے سے نہیں ہو سکتی۔ آگے بڑھیے۔ حالات کے اتار چڑھاؤ میں کوئی عملی پارٹ ادا کیجیے!!

---

(۲)

سنہ ۵۳ء کے اواخر میں حالات کے چرخے نے اچانک جو الٹی گردش شروع کی تھی اس کے ہیر پھیر نے ہمیں نت نئے واقعات و حوادث سے دوچار کیا ہے۔ اس دوران میں حالات کے ارتقاء کا کوئی اصولی رخ باقی نہیں رہا۔ تغیرات کی کوئی سمتِ سفر متعین نہیں رہ گئی، سیاست کا جہاز لنگر اور بادبان دونوں سے محروم ہو چکا ہے، سیاستِ ملی کے کسی گوشے — دستوری مرتبے، پارلیمنٹری ہیئت، قانونی انصاف

© rasailojaraid.com

داخلہ و خارجہ پالیسی — میں حالتِ استقلال (STABILITY) دکھائی نہیں دیتی حیاتِ ملی کی ساری کی ساری متاع اس وقت ہوا کے رُخ بدلتے جھونکوں کے حوالے ہو چکی ہے۔ میدانِ کارزار کے بڑے بڑے شہسواروں تک کا حال یہ ہو گیا ہے کہ "نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"!

تغیر قومی زندگی میں عین شئے مطلوب ہے کیونکہ ترقی اور خیر و فلاح اس کے بغیر ممکن نہیں لیکن بدقسمت ہوتی ہے وہ قوم جس کے ہاں آنے کو تو تغیر ہر صبح اور ہر شام آ رہا ہو لیکن اُسا ہر بار وہ نئی پستیوں، نئی نامرادیوں، نئی پسپائیوں اور نئی پیچیدگیوں اور پریشانیوں کے سیلاب جلو میں لیے وارد ہو۔ افسوس کہ ہمارے ہاں پچھلے دنوں سے حدوث و تغیر کا جو دور شروع ہوا ہے وہ اجتماعی ارادوں اور عوامی رجحانات اور قومی تقاضوں کی طلب کے تحت نہیں، بلکہ ان کے بالکل خلاف اور ان کے بالکل علی الرغم آیا ہے اور اس شان سے آیا ہے کہ اس نے آزادی کے مرتبے، جمہوری روایات، شہری حقوق، سیاسی اخلاق، ملی مقاصد، دستوری قدروں، انتظامی ڈھانچے، دفتری نظم و نسق، سب کو ہلا ہلا کے جھنجھوڑا ہے۔ اس نے وہ بندھن ڈھیلے کر دیئے ہیں جن سے کسی قوم کی کتابِ حیات کا شیرازہ بندھا رہتا ہے، اس نے وہ روابط توڑ ڈالے ہیں جو معاشرہ کے مختلف شئون و احوال کو اس کے ماضی اور مستقبل کے درمیان باہم دگر جوڑ رکھتے ہیں اور اس نے وہ بنیادیں کھوکھلی کر دی ہیں جن پر کسی قوم کی بین الاقوامی عزت اور ساکھ کھڑی ہوتی ہے۔

تاریخِ پاکستان کا یہ دورِ زلزلہ جو ہمارے سامنے ہے۔ اس کے ظہور اور اس کے نشو و ارتقاء میں ہر ایک کا کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ اس میں ایک پارٹ مسلم لیگ اور اس کی اصول و کردار سے محروم قیادت کا ہے، اس میں ایک پارٹ بغیر کسی اجتماعی نصب العین کے محض حصولِ اقتدار کی کشمکش میں حصہ لینے والی متفرق سیاسی ٹولیوں کا ہے۔ اس میں ایک پارٹ ابن الوقت قسم کی صحافت کا ہے۔ اس میں ایک پارٹ جامۂ مذہبیت اوڑھنے والے دنیا طلب حضرات کا ہے۔ اس میں ایک پارٹ اُن لوگوں کا ہے جن کو محض اتفاقاتِ زمانہ سے اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ اس میں ایک پارٹ مستقل ملازمتوں کے اونچے طبقے کا ہے، اس میں ایک پارٹ تاجروں کے نمائندوں کا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں ایک پارٹ — اور بہت بڑا پارٹ — خود عوام کا ہے۔ یہ سب کے سب اپنے درجے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے اپنے عمل کے مطابق اس تقدیر کے بنانے میں حصہ دار اور ذمہ دار ہیں جس سے آج ملک دوچار ہے اور جس کے برگ و بار خود ان حصہ داروں اور ان کی نسلوں کی اپنی جھولیوں ہی میں پڑنے والے ہیں۔

ہم یہاں ان حالات کا کوئی جامع تجزیہ تو نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ ان کے چند عبرتناک پہلوؤں کو ضرور نمایاں کر کے دکھانا چاہتے ہیں۔ ایک امر واقعہ تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو قوت و اختیار کے آخری آمرانہ مراتب پر فائز ہوتے دیکھ کر ہمارے بزرگوں نے جو فولادی عزائم باندھے تھے ان کو حالات کی ٹھوکروں نے بالکل چوراہوں پر اس طرح چکنا چور کیا ہے جیسے وہ کانچ کی چوڑیاں ہوں۔ دنیا نے دیکھا کہ ان عزائم میں بار بار کس طرح ترامیم ہوتی چلی گئیں۔ اور دنیا دیکھ لے گی کہ مستقبل کے لیے جو آہنی ارادے آج پیش کیے جا رہے ہیں ان کا حشر بھی یہی ہو کے رہے گا۔ پھر عبرت اندوز ہونے کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس غیر صحت مندانہ ماحول میں عہدے کی کسی کرسی کی طرف جو کوئی بھی لپکا ہے وہ کیسے کیسے وعدے کر کے اور کیسے کیسے بھروسے دلا کر لپکا ہے، لیکن کرسی پر جا کر بیٹھتے ہی ان دعووں اور بھروسوں سمیت برسوں کے قائم شدہ نظریات اور دعووں اور مطالبوں کی آناً فاناً ایسی لاجواب کایا کلپ ہوئی ہے کہ ان حضرات کے بالکل نابینا عقیدت مندوں کی بھی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ مدتوں کے بنے ہوئے سیاسی کردار جو قومی خدمات، جدوجہدِ آزادی اور قید و بند کی قربانیوں کے سنہرے تمغے زیبِ قبا کیے ہوئے تھے ان کا ملمع اقتدار کی کٹھالی میں پہلی آنچ کھاتے ہی کس بری طرح اترا ہے۔ پھر سبق حاصل کرنے کے لیے تیسرا قابلِ مطالعہ پہلو یہ ہے کہ کیسے بھانت بھانت کے لوگ ——— جن کے درمیان کسی سیاسی جوڑ میل کا کوئی امکانِ عقلی موجود نہ تھا ——— تقدیر کے عطا کردہ موقع سے فائدہ اٹھا کر ایک ہی خوانِ یغما پر جمع ہو گئے اور کمال یہ کہ جن زبانوں نے کل تک اپنے کچھ حریفوں کو غداری سے کم درجے کے کسی لفظ سے مخاطب نہیں کیا تھا وہ انہی کو خوش آمدید کہنے پر مجبور ہو گئیں۔ لیکن دوسری طرف اس مصنوعی اتحاد کا ایک یہ پہلو بھی توجہ طلب ہے کہ درونِ پردہ بھی ان اتحادیوں کے درمیان جب سے اب تک برابر چالیں چلی جا رہی ہیں اور برسرِ عام بھی ہر ایک نے اپنی اپنی ڈفلی بجائی ہے اور اپنا اپنا راگ سنایا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر جو گوناگوں بول بولے جاتے رہے ہیں ان میں سے کسی ایک کی عمر نے وفا نہ کی۔ بلکہ بڑے سے بڑے بول کا سکہ بھی ہفتہ دو ہفتہ، مہینہ دو مہینہ چل کر کھوٹا ہو گیا۔ ایک ایک کی کہی ہوئی باتوں کو اخبارات سے نکال کے نمبروار نوٹ کیجیے اور پھر خود ہی معلوم کیجیے کہ کونسی بات سکے ملن چلی! چوتھا پہلو جس کا جائزہ لے کر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، یہ ہے کہ مفاد کی کشاکش بڑی تیزی سے اکابر کے طبقہ کا باہمی ائتلاف ختم کیے دے رہی ہے۔ اس کشاکش کی موج جب اٹھتی ہے تو کبھی ۱۹۲ کا وار کر کے بھی جمائی اسمبلی کو اکھاڑ کے پرے پھینک دیتی ہے اور کبھی مرکز کے اشارے کے تحت کسی صوبائی وزارت کا تخت الٹ دیتی ہے۔ سندھ کے بعد اس کی ایک تازہ سنہری مثال وزارت پنجاب کی اکھیڑ پچھاڑ کا غیر متوقع واقعہ ہے۔ پھر یہ عبرت ناک منظر دیکھیے کہ اس طرح کی شاہانہ پھیروں کا عمل برد بالدجب واقع ہوتا ہے تو چھوٹے چھوٹے لیڈر، صحافی اور ایم ایل اے حضرات کرسی پر آبیٹھنے والے صاحب منصب کے سامنے قصیدے اور سپاسنامے پیش کرنے لگتے ہیں اور کرسی سے اترنے والے کے خلاف ہجوگوئی کا ایک طوفان کھڑا کرتے ہیں۔ حالانکہ کل تک وہ اس کے قصیدے کہنے میں رطب اللسان رہ چکے اور اس راتوں رات کی قلبِ ماہیت کی اصل حقیقت پر وہ کوئی پردہ بھی نہیں ڈال سکتے۔ اخلاق کی ادنیٰ ترین سطح سے بھی گرا ہوا یہ سیاسی کردار حکومتی تغیرات کے نمودار ہونے پر نہایت غیر شریفانہ فضا پیدا کر دیتا ہے۔ طرفہ یہ کہ سیاسی پارٹیاں — بمع حکومت پر فائز ہونے والی متعلقہ پارٹی کے — منہ میں گھنگھنیاں ڈالے پڑی رہتی ہیں، جیسے یہ ان کا سرے سے موضوعِ توجہ ہی نہیں! ان حالات میں یہ بالکل واضح ہے کہ کسی کے پاؤں کے نیچے مضبوط زمین اب نہیں ہے۔ اب تو ایوانِ جاہ و منصب بالکل کاروان سرائے کی صورت اختیار کر گیا ہے کہ مسافر نے رات گذاری، صبح کو کوچ!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشیتِ الٰہی نے ہر گروہ اور ہر فرد کی حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ قدرت کے ہاتھ نے تمام قابلِ ذکر عناصر اور ان کے اندر کی ممتاز شخصیتوں کو دور دور سے چن چن کر جمع کر لیا ہے اور اب ایک ایک ہستی کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر اسے اسٹیج پر لایا جا رہا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسے مجبور کیا جا رہا ہے کہ فکر و عمل اور ذہن و کردار کا جو کچھ سرمایہ تمہارے پاس ہے اسے سب کے سامنے کھول کر رکھ دو۔ اپنی صلاحیتوں کو گن گن کر اور ناپ کر اور تول کر بھری مجلس میں خود بتاؤ کہ تم کیا ہو اور کیا نہیں ہو۔ صرافِ مشیت نے ہماری ٹکسال کے ایک ایک سکے کو جانچنے کے لیے سرِ بازار کسوٹیاں نصب کر دی ہیں اور کٹھالیاں آگ پر چڑھا دی ہیں۔ بالکل ٹھیک ٹھیک میزان لگ گئی ہے اور اقوال و اعمال تل رہے ہیں۔ دکھائی یہی دیتا ہے کہ اب کسی کا پردہ نہ رہے گا اور سارے بھرم کھل جائیں گے۔ قوم جن جن کے بارے میں کسی دھوکے میں تھی اور جن جن سے وہ امیدیں وابستہ کر سکتی تھی اب ایسے لوگوں کے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن بھی لوگوں کی سر کی آنکھوں کے سامنے فاش کیا جانے لگا ہے۔ یہ طرزِ معاملہ قدرت ہمیشہ ایسے عناصر کے ساتھ کرتی ہے جن کی مہلتِ کار کے دن پورے ہو چکے ہیں۔

یہ مرحلہ بڑا سنگین اور دل ہلا دینے والا مرحلہ ہے، لیکن غالباً اس میں خیر کا سب سے بڑا پہلو یہی ہے کہ پاکستان کے عوام کو خوش فہمیوں اور من سمجھوتوں اور وہم و وسوسوں کی تاریکی سے نکال کر حقیقت کے اجالے میں لایا جا رہا ہے جہاں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکیں کہ کون ان کی بگڑی بنانے میں ان کے کام آسکتا ہے اور کس کے ہاتھوں جو کچھ بن چکا ہے اس کے بھی تباہ ہو جانے کا خطرہ ہے! اس اتمامِ حجت کے بعد عوام اپنا مستقبل اور اپنا انجام تجویز کرنے کے خود ہی ذمہ دار ہوں گے!

---

(۴)

یہ سوال بڑا قابلِ غور ہے کہ یہ جو کچھ پیش آیا ہے قوم نے کبھی نہیں چاہا کہ وہ ایسے حالات سے دوچار ہو۔ بخلاف اس کے لوگوں نے ہمیشہ اپنے ملک اور اپنی ریاست کے لیے اچھے مستقبل کا تصور باندھا ہے۔ ان حالات کے پیش آجانے کے بعد بھی کوئی ان سے خوش نہیں اور کوئی ان پر مطمئن نہیں، بلکہ ہر شہری کو ان کی وجہ سے اضطراب لاحق ہے اور ہر کوئی ان سے نجات پانا چاہتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ نہیں ہوتا اور جو کچھ ہم نہیں چاہتے وہی ہوتا ہے؟ اور جب یہ حالت ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو مایوسی کے گڑھے میں گر کر قومی خودکشی کر لینے کے سوا اور کونسا چارۂ کار باقی ہے؟

بات یہ ہے کہ چاہے کوئی فرد ہو یا قوم ہر کوئی ہمیشہ اپنا بھلا ہی چاہتا ہے۔ آرزوئیں ہمیشہ اچھی ہی باندھی جاتی ہیں، جھونپڑوں میں رہنے والے بھی خواب آئینہ محلوں کے دیکھتے ہیں۔ ہم پاکستانیوں نے بھی حسرتوں اور تمناؤں کی حد تک یہی چاہا ہے کہ ہم دنیا کی عظیم ترین قوموں میں سے ایک ہوں، ہماری ریاست ایک ترقی پذیر اور خوشحال ریاست ہو، ہماری ملی آئیڈیالوجی ہمارے ہاتھوں جامۂ عمل پہنے، اسلامی دستور بنے اور قرآن و سنت کی اساس پر ہمارا محبوب نظامِ خیر و برکت کارفرما ہو۔ اعلیٰ درجے کی جمہوری فضا یہاں قائم ہو جس میں ہمارے شہری حقوق محفوظ ہوں، معاشی استحصال کا خاتمہ ہو جائے۔ ہمارا انفرادی و اجتماعی کیرکٹر ساری دنیا کے لیے ایک نمونہ و مثال کا کام دینے والا ہو۔ ہمارا نظم و نسق خیانت، رشوت اور بے قاعدگیوں سے پاک ہو جائے۔ ہمارے ہاں بے لاگ قانون کی عملداری ہو اور کوئی طاقت دستور کی حدود سے تجاوز نہ کر سکے۔ ہمارا بچھڑا ہوا کشمیر ہم سے آملے، ہمارے مہاجر بھائی مکمل طور پر بحالی کی منزل کو پہنچ جائیں اور بہترین با اصول اور جیدار قیادت ہماری زمامِ کار ہاتھ میں لے۔

مگر مجرد ان اچھی اچھی باتوں کو چاہتے اور ان کی فہرست گفتگوؤں، تقریروں اور تحریروں میں گنواتے رہنے سے ہزار برس میں بھی کوئی نتیجۂ مطلوب برآمد نہیں ہو سکتا۔ قومی خواہشوں اور تمناؤں اور مرادوں کے بر آنے کی کچھ شرائط ہیں۔ توفیقِ ایزدی کے بل پر جو کوئی ان شرائط کو پورا کر دیتا ہے اس کی آرزوئیں پھلتی پھولتی ہیں اور جو کوئی محض پڑے پڑے شیخ چلی کے سے خواب دیکھتا رہتا ہے وہ جب آنکھیں کھولتا ہے تو اس کے تعمیر کردہ شیش محل چکنا چور ہو جاتے ہیں۔

تو وہ شرائط کیا ہیں؟

قومی تمناؤں کے بار آور ہونے کی شرطِ اوّل یہ ہے کہ گوناگوں متفرق خواہشوں اور تمناؤں اور ضرورتوں کو کسی ایک اصولی و تعمیری نصب العین کی شکل میں ڈھالا جائے۔ انسانی معاشروں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زندہ رہنے اور ترقی کرنے، مشکلات پر قابو پانے اور بہترین مستقبل حاصل کرنے کا یہ ایک ناگزیر تقاضا ہے کہ وہ ایک جامع و ہمہ گیر نصب العین اختیار کریں اور فرد فرد کی نگاہیں اس پر مرتکز ہو جائیں، اس نصب العین کے لیے ایک گہری محبت اور اس کی طرف بڑھتے چلے جانے کے لیے ایک عام ولولہ ہر طرف کارفرما ہو، کوئی رکاوٹ قوم اور اس کے نصب العین کے درمیان حائل ہو تو چاہے وہ کوئی غیر ملکی طاقت ہو، چاہے کسی طبقے کا مفاد ہو، چاہے وہ کسی صاحبِ منصب کا اقتدار ہو، چاہے وہ کوئی دستوری تقاضا ہو، اسے راستے سے ہٹا پھینکنے کے لیے اس سرے سے اس سرے تک بے چینی کی لہر دوڑ جائے۔

یہ اللہ کا احسان ہے کہ ہم بے جڑ کی کٹی قوم نہیں ہیں بلکہ ہماری ایک مضبوط آئیڈیالوجی ہے اور وہ آئیڈیالوجی ہمیں ایک ایسا تعمیری نصب العین دیتی ہے جو ہماری ساری متفرق حسرتوں اور تمناؤں کا جامع ہے۔ اس کو منتہائے نظر بنا کر ہم اگر متحدہ اقدام کریں تو ہم دنیا میں نہ صرف یہ کہ ایک آزاد، خوددار اور ترقی کرنے والی مضبوط قوم اور سلطنت کا سا مقام پیدا کر سکتے ہیں بلکہ امید گاہِ عالم اور مرکزِ انسانیت ہونے کا گم شدہ منصب دوبارہ ہاتھ آ سکتا ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارا ایک قلیل عنصر ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر لگا رہا ہے کہ قوم کسی طرح اسلامی نصب العین کو عملاً اختیار نہ کرنے پائے۔ پھر اس سے نیچے اتر کر ہمارے خوش حال طبقوں میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کو اپنی نوکری اور تنخواہ، اپنی تجارت اور اپنے پیشے، اپنے سوشل اسٹیٹس اور اپنی تفریحات سے آگے قوم کے مسئلے بڑے سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ بالکل غیر جانب دار، غیر متعلق پڑے ہوئے ہیں۔ پھر ہمارے تعلیم یافتہ اور ان پڑھ عوام کی بہت بڑی تعداد ہے جو اسلام اور اسلامی دستور اور اسلامی نظامِ حیات کے لیے ایک گونہ دلچسپی تو رکھتی ہے لیکن وہی بس حسرت و آرزو کی حد تک، اسے دل و جان سے اپنا محبوب نصب العین بنا کر متحرک نہیں ہے۔ آخر میں وہ حساس اور ذمہ دار عناصر ہمارے سامنے آتے ہیں جو اسلامی نصب العین کو واقعی نصب العین بنا کر اپنے حصے کا فرض ادا کر رہے ہیں۔

ہم موجودہ ناسازگار حالات کی خطرناکیوں کا واسطہ دلا کر ملک کے ایک ایک فرد سے اپیل کرتے ہیں کہ متفرق خیالی تمناؤں کی سطح سے اوپر اٹھیں اور اسلامی —— یا کوئی —— تعمیری نصب العین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کریں۔ خواہ کسی کے پیش کردہ نصب العین پر جمع ہوں۔ خواہ اپنے نصب العین پر دوسروں کو جمع کریں یہ بے نصب العین کی پریشان حال زندگی اب ختم ہو جانی چاہیے۔ سامنے نصب العین نہ ہو تو قومیں چیونٹیوں جیسی کثیر تعداد میں ہو کر بھی بے تغیر پڑی رہتی ہیں، اور تغیر ان پر آتا بھی ہے تو اور زیادہ پستی اور تباہی میں دھکیل دینے کے لیے آتا ہے۔

قوموں کی آزادی، ریاستوں کی ترقی اور معاشروں کے استحکام کے لیے دوسرا اہم لازمہ تنظیم ہے۔ حیات اجتماعی کا یہ اتنا بڑا تقاضا ہے کہ علمائے سیاست نے ریاست کے عناصر خمسہ میں اسے شمار کیا ہے۔ جس انسانی آبادی میں تعاون، ائتلاف، یک جہتی، ہم آہنگی اور تنظیم کے داعیات کارفرما نہ ہوں وہ اول تو ریاست کے مرتبے پر آ نہیں سکتی اور اگر بخت و اتفاق نے اسے اٹھا کر تخت آزادی پر بٹھا بھی دیا ہو تو وہ کسی بھی لمحے تخت پر سے اچانک گر سکتی اور سیدھی غلامی کی گود میں جا پہنچے گی۔ اس کو غلام بنانے کے لیے باہر کی کوئی قوت قاہرہ اگر نہ بھی متوجہ ہو تو اس کے اندر سے اس کے اپنے ہی فرزند اٹھیں گے اور اس کے سر سے تاج اقتدار، اس کے کندھوں سے شاہی قبا، اس کے ہاتھوں سے عصائے سطوت اور اس کے قلمدان سے مہر فرماں روائی دیکھتے دیکھتے اچک لیں گے اور اس ساری متاع گراں بہا کو بیچ باچ کر کھا پی جائیں گے۔ ایک غیر منظم قوم کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کی آزادی پر ہاتھ صاف کرنے والی اندرونی طاقتیں جب اٹھ کھڑی ہوتی ہیں تو وہ خنجر کی دلیل سے بات کرتی ہیں، وہ تشدد کے قانون سے قسمتوں کا فیصلہ کرتی ہیں، وہ سازش کے ذریعے جڑیں پھیلاتی ہیں اور کسی کو اف کرنے کا موقع نہیں دیتیں۔ کروڑوں افراد کا غیر منظم انبوہ یہ سب کچھ ہوتا دیکھتا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ منتشر افراد سیاسی حیثیت سے کوئی قیمت نہیں رکھتے، وہ محض بھیڑ بکریاں ہوتے ہیں — پڑھی لکھی اور ڈگریاں رکھنے والی بھیڑ بکریاں، فلسفی اور سیاست دان بھیڑ بکریاں، سوٹ بوٹ اور شیروانی پاجاموں میں ملبوس بھیڑ بکریاں! بڑے سے بڑے انبوہ گوسفنداں کے لیے یہ کافی ہے کہ کوئی بھی زید، عمر، بکر آمریت کا لٹھ کندھے پر رکھے نمودار ہو اور ان کا چرواہا بن کر ان کو جدھر چاہے ہانک لے۔ وہ مزے سے ان کا دودھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیشہ ور ان کا گزشتہ کل اسے ان کی آڑ میں سے قابلِ مواخذہ اور ان کو اور ان کے بچوں کو نقصانات کے ہاتھ بیچتا رہا ہے، بھیڑ بکریوں سے بغیر اس کے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ جو بھی کسی نہ کسی طرح ان کا چرواہا بن گیا ہو وہ اسی کے آگے سر جھکا کر ممیا دیں۔

امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس، چین، انڈیا اور دوسری قومیں اگر ترقی کرتی ہوئی زندہ قومیں ہیں تو محض اس لیے کہ ان کی آبادیاں پارٹیوں کی شکل میں منظم ہیں اور سالہا سال سے منظم چلی آرہی ہیں۔ یہاں یہ حال ہے کہ مسلم لیگ اپنے گناہوں اور اپنی کوتاہیوں کی برکت سے درہم برہم ہو چکی۔ اس کی جگہ لینے کے لیے طالع آزما عناصر کسی اصول، مقصد اور کردار کے بغیر گوناگوں ٹولیاں بنا کر اٹھے لیکن عوام کو اپنی طرف جذب کرنے میں ناکام رہے۔ خود تو ناکام رہے، لیکن اس کے ساتھ انہوں نے اپنا پورا زور اس پر صرف کر دیا کہ لوگ اگر ان کے ساتھ نہیں آرہے تو کسی دوسری بہتر تنظیم سے بھی نہ جڑنے پائیں۔ یہ عناصر قوم کو ایک مستقل پریشانی و انتشار میں ڈال دینے پر تل گئے۔ اب دیکھیے کہ نتیجہ کیا ہے۔

اب وقت پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہر شخص چونکے اور اپنے آپ کو کسی منظم طاقت سے ملحق کرے۔ اپنے نصب العین کو سامنے رکھ کر دیکھیے کہ اس کے تقاضے موجود تنظیموں میں سے کس کے ساتھ ہو کر پورے کیے جاسکتے ہیں۔ پھر جس پر دل ٹھکے اپنے آپ کو اس کے شیرازہ میں پرو دیجیے۔ نصب العین اسلامی ہے تو جماعت اسلامی ایک مضبوط مرکز (NUCLEUS) کی حیثیت میں سامنے موجود ہے، اور قوم کے اجتماعی رجحانات کا اشارہ اب اسی طرف ہے۔ اس سے بہتر کوئی اور تنظیم دکھائی دے تو اس سے جا ملیے۔ نصب العین کوئی دوسرا ہو تو اس کے مطابق کوئی دوسری موزوں تنظیم ڈھونڈ لیجیے۔ موجود تنظیموں میں سے کسی کے ساتھ ہم آہنگی (COMPROMISE) ممکن نہ ہو تو بسم اللہ کسی نئی تنظیم کی نیو ڈالیے۔ بہر حال اب اس حالتِ انتشار کو ختم ہونا چاہیے جو ایسے احوال کو پیدا ہونے کا موقع دیتی ہے کہ جن کے ہاتھوں نہ ہماری آزادی سلامت رہ سکتی ہے، نہ ہمارے تعمیری منصوبوں اور ترقی کے عزائم کی خیر ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی تنظیمی طاقت بغیر ایک موزوں لیڈر شپ کے نہیں اُبھر سکتی اور وجود پذیر ہو بھی جائے تو کبھی ایک فعال طاقت نہیں بن سکتی۔ نصب العین اگر تنظیم کا تقاضا کرتا ہے تو تنظیم صاحب صلاحیت قائد مانگتی ہے۔ جیسے ایک آزاد سلطنت کے حصول کا نصب العین جب قوم نے اپنایا تو اس نے مسلم لیگ کی تنظیم کے تحت اپنے آپ کو مہیا اور قائد اعظم کی شخصیت کو رہنمائی کے منصب پر رکھا۔ اسی طرح اب اگر اسلامی آئیڈیالوجی پر معاشرہ کی تعمیر نو کا نصب العین قرار پایا ہے تو اس کے حصول کے لیے جہاں کسی موزوں نظام جماعت کا انتخاب ضروری ہے وہاں دوسری ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ یہ کام جس طرح کا لیڈر مانگتا ہے وہ دستیاب ہو۔

قوموں کی امامت اور سلطنتوں اور معاشروں کی تعمیر و ترقی کا کام جس نوعیت کا لیڈر مانگتا ہے اس کی پہچان یہ نہیں ہوتی کہ وہ بڑی چابکدستی سے کسی عہدے پر جا بیٹھا ہے۔ اس نے کسی انتخاب میں حریفوں کو پچھاڑ کر اسمبلی کی نشست جیت لی تھی، اس نے کوئی بیرج بنوا دیا ہے یا بجلی اور شکر کا کوئی کارخانہ کھلوا دیا ہے، یا وہ کوئی بڑی برادری اور جاگیر رکھتا ہے۔ قوموں کو بنانے والے لیڈروں میں دیکھنے کے پہلو یہ ہوتے ہیں کہ کیا وہ کوئی جامع اصول و نظریہ اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ کوئی قابلِ عمل پروگرام اس کے پیش نظر ہے، مضبوط کیرکٹر اس میں پایا جاتا ہے، ثبات اور استقلال ہے، قربانی دینے کا حوصلہ ہے، دیانت و امانت اور بے لوثی کی صفت ہے۔ اس معیار کا چراغ لے کر ڈھونڈیے کہ آیا آپ کے آٹھ کروڑ افراد میں اس صلاحیت کا کوئی اکا دکا فرد ہاتھ آسکتا ہے۔ دنیا کی کوئی پست سے پست قوم شاید اتنی گئی گزری نہ ہوگی کہ وہ اپنے اجتماعی نصب العین کی طرف اقدام کرنے کے لیے اپنی ضرورت کا کوئی لیڈر نہ پاسکے۔ اتنے گئے گزرے یقیناً ہم نہیں ہیں لیکن مشکل جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ اس مترقبہ پارٹ کا اہل کرنے والا ہے بھی تو آپ کا یہ پریس آپ کے یہ لیڈر اور آپ کے بعض اکابر تک ہر ممکن تدبیر کے ذریعے اس کوشش میں مصروف ہیں کہ قوم کسی ایسے شخص تک پہنچنے اور اس سے اپنے آپ کو مربوط نہ کرنے پاسکے۔

آپ کی ہمسایہ قوم کو جن چیزوں نے مسابقت حیات میں آگے کر دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ شروع سے اس نے ایک لیڈر کا دامن تھاما اور اس کے گرد سمٹ گئی۔ گاندھی جی سے ان کے فلسفے اور ان کے سیاسی طریق کار میں اگر ایک ایک جزئی اختلاف پر مختلف عناصر مخالفتیں برپا کیے رہتے۔ ہر ذہین آدمی ان سے حریفانہ اور رقیبانہ معاملہ کرتا اور پریس اگر شروع سے ان کا بائیکاٹ کرتا اور ان کا مضحکہ اڑاتا رہتا تو گاندھی جی قومی لیڈری کی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود قومی ہیرو نہ ہوتے۔ مگر دوسری طرف قوم بھی اس سطح پر نہ پہنچ پاتی جس پر وہ آج ہے۔ اس ہمسایہ قوم کے بخلاف مسلمانوں کی یہ ایک مستقل کمزوری رہی ہے کہ وہ کسی ایک قیادت پہ مٹنے پر تیار نہیں ہوتے اور ان کا ہر ذہین آدمی اس جہاد میں لگا رہتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص قومی قیادت کا مقام حاصل نہ کرنے پائے۔ قوم صرف ایک مرتبہ قائد اعظم کے ساتھ جمع ہوئی اور اس کے نتیجے میں اسے پاکستان حاصل ہوگیا۔ اب وہ اپنی پرانی عادت کے مطابق پھر منتشر ہے تو اس کا حال یہ ہے کہ پچھلی جدوجہد میں جو کچھ کیا تھا اس کی حفاظت بھی مشکل ہو رہی ہے۔

اب اگر زندہ رہنا ہے تو ہمیں اس کمزوری کو دور کرنا ہوگا اور وقت متنبہ کر رہا ہے کہ اس کمزوری کو برقرار رکھتے ہوئے آگے بڑھنا تو درکنار، اندیشہ ہے کہ فطرت کے بے لاگ قوانین آپ کو اٹھا کر اور پیچھے نہ پھینک دیں۔ موجودہ حالتِ انتشار اگر قائم رہے تو کسی نجات دہندۂ ملت کی مسیحائی اور کسی محافظِ قوم کی پاسبانی پاکستان کو خطرات سے نکال نہیں سکتی، لیکن اگر اس حالتِ انتشار کی دلدل سے نکلنے کی عملی تدابیر خود قوم اختیار کرے تو پھر آمریت پسند اور جاہ طلب حضرات کی مہلک سے مہلک وقتی کارروائیوں کے نتائج کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا، استحکام اور ترقی کے لیے اپنی فوری ضروریات کو پھر ذہن نشین کر لیجیے — ایک جامع تعمیری نصب العین — ایک مضبوط اصولی تنظیم — ایک صاحبِ کردار لیڈر!

© rasailojaraid.com